نغمۂ خیّام



عادِل اسیر دہلوی

نغمۂ خیام

(عمر خیام کی منتخب فارسی رباعیات کا اردو منظوم ترجمہ)

عادل اسیر دہلوی

ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی- 110006

سلسلۂ مطبوعات ——— ۸

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

ISBN 81-87944-07-2

نام کتاب : نغمۂ خیام

مصنف : عادل اسیر دہلوی

صفحات : 80

تعداد : 1000

اشاعت : (اوّل 1996ء، دوم 2001ء، سوم 2004ء) چہارم 2006ء

قیمت : تیس روپے =/30

ناشر : ملک بک ڈپو

3212، ترکمان گیٹ، دہلی۔ 110006

مطبع : زم زم پرنٹنگ ورکس

چوڑی والان، دہلی۔ 110006

NAGHMA-E-KHAYYAM

By: Aadil Aseer Dehlavi

MALIK BOOK DEPOT

3212, Turkman Gate, Delhi- 110006

E-mail: adabatfal@hotmail.com

Mobile:098 99 711 762

Price: Rs. 30/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنیوالے کل کے ادبی منظر نامہ کا ایک اہم قلمکار

عادل اسیر .... عظیم اختر

مصلحتوں کے تحت سچائیوں کے اظہار سے گریز اور تلخ کڑوی، کسیلی حقیقتوں کے بیان سے دانستہ احتراز ایک کھلی ہوئی بددیانتی، بدترین منافقت اور فرار کی علامت ہے۔ ہماری سیاسی، سماجی زندگی کی طرح ادبی زندگی بھی منافقت اور بددیانتی سے مملو ہے اور ادبی مفادات و ذاتی مصلحتوں کے تحت سچائیوں سے گریز عام ہے۔ میرا قلم چونکہ منافقت اور بددیانتی کی آلودگیوں سے پاک ہے اس لیے میں اس حقیقت اور سچائی کو رقم کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا کہ آج میر و غالب کے اس شہر یعنی دہلی کے ادبی منظر نامہ پر محقق اور نقاد قسم کے کچھ مخصوص پروفیسروں اور کالج یونیورسٹیوں میں اردو پڑھانے والے استادوں کا قبضہ ہے۔ چھوٹے موٹے ادبی مٹھ بنے ہوئے ہیں جن میں صرف دوستی، ذاتی تعلقات، نظریات سے وابستگی ہم آہنگی یا قلمکار کے معاشی، سماجی، سرکاری حیثیت و مرتبے کے پس منظر میں تخلیق کی پذیرائی کی جاتی ہے اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ ستائش باہمی کا ایک عجب بازار گرم ہے جہاں عملی زندگی میں کم حیثیت و مرتبے کے مالک باصلاحیت ادیبوں، شاعروں اور نوجوان قلمکاروں کی کام کرنے کی لگن اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو دیدہ و دانستہ نظر

انداز کیا جاتا ہے اور اُن کے ادبی وجود سے مسلسل گریز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری اور آپ کی اسی دہلی کی کوکھ سے جنم لینے والے بہت سے باصلاحیت اور نوجوان قلمکار آج تک دہلی کے ادبی منظر نامہ پر نہیں اُبھر سکے۔ لیکن ہمارے بڑوں کی اس مسلسل بے اعتنائی نے ان نئے قلمکاروں کی تخلیقی صلاحیتوں اور کام کرنے کی لگن کو متاثر نہیں کیا۔ ان میں بے حوصلگی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ستائش و صلے سے بے پرواہو کر فصیل شہر کی تنگ و تاریک گلیوں اور کوچوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو نکھار رہے ہیں، بروئے کار لا رہے ہیں اور اردو شعر و ادب کی خاموش خدمت کر رہے ہیں۔

عادلؔ اسیر ایک ایسے ہی نوجوان اور باصلاحیت قلمکار ہیں جو بڑی خاموشی اور لگن کے ساتھ اردو شعر و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے کام کرنے کی لگن اور ان کی ادبی صلاحیتوں کو دیکھ کر صرف یہی خیال آتا ہے کہ اگر یہ عملی زندگی میں کسی بلند مرتبے کے حامل ہوتے تو ہمارے ادبی کولمبسوں کے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے جہاز اب تک ان کے تخلیقی جزیروں کو تلاش کر کے کبھی کا اردو دنیا کو روشناس کرا چکے ہوتے اور ان کی شعری و ادبی خدمات اور صلاحیتوں پر دفتر کے دفتر سیاہ کیے جا چکے ہوتے۔ ادبی پذیرائی کے متعدد دروازے وا ہو جاتے۔ لیکن چونکہ یہ ابھی زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لیے جد و جہد کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اس لیے ادبی مٹھوں کے التفات پذیرائی سے محروم ہیں۔ لیکن خوشی کا مقام ہے کہ یہ سیدھا سادہ کم گو اور خاموش سا نوجوان اپنی دھُن میں مگن بڑی تیزی کے ساتھ تخلیقات نو کے انبار لگا رہا ہے۔ بچوں کے

لیے مختلف موضوعات اور عنوانات پر متعدد کتابیں ترتیب دے چکا ہے۔ ادبی مٹھوں کے ان سنچالکوں نے جو ادب کے شوکیس میں اپنے ہم نوا تخلیق کاروں کو سجانے کی خدمت انجام دینے میں یا اردو سے متعلق سرکاری یا نیم سرکاری اداروں کی سربراہی یا صرف ممبر شپ حاصل کرنے کے لیے، صبح وشام سیاست دانوں کے دروں پر سجدہ ریزی کرتے ہیں، ممکن ہے عادل اسیر کی تخلیقی کاوشوں کو دیکھا ہی نہ ہو لیکن اردو کے Grass-Root نقادوں نے نہ صرف سراہا ہے بلکہ اپنے بچوں کی ذہنی تربیت ونشو ونما کے لیے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ یہ عوامی مقبولیت مولانا اسماعیل میرٹھی کے بعد بچوں کے لیے شاعری کرنے والے شاید ہی کسی شاعر کو نصیب ہوئی ہو۔

عادل اسیر کی شاعری مختلف جہتوں پر محیط ہے۔ اگر ایک طرف انھوں نے بچوں کی ذہنی تربیت اور نشو ونما کے لیے خوبصورت شاعری کی ہے تو دوسری طرف منظوم ترجمے بھی کیے ہیں۔ ''نغمۂ خیام'' عادل اسیر کی ایک ایسی ہی کاوش ہے۔ غیر ملکی زبانوں کی شعری تخلیقات اور وہ بھی عمر خیام جیسے قد آور اور بلند مرتبہ شاعر کا اردو میں منظوم ترجمہ کوئی آسان کام نہیں۔ تخلیقی ذہن، شعر گوئی کی بھر پور صلاحیت، اردو و فارسی پر مکمل عبور اور دسترس کے بغیر اس میدان میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ساتھ رسوائی اور جگ ہنسائی کے امکانات زیادہ ہیں۔ خیام کی فارسی رباعیوں کا اردو منظوم ترجمہ دیکھ کر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عادل اسیر نے اپنے تخلیقی ذہن اور شعر گوئی کی صلاحیتوں کا خوبصورت استعمال کر کے اپنے ادبی قد میں اضافہ کیا ہے، جس کا اعتراف آج تو نہیں لیکن آنے والے کل کے ادبی منظر نامے پر ضرور ہوگا۔

☆☆☆

آمد سحرے ندا ز میخانہ ما
کاے رند خراباتی و دیوانہ ما
بر خیز کہ پر کنیم پیمانہ ز مے
زاں پیش کہ پر کنند پیمانہ ما

اک صبح یہ میخانے سے آواز آئی
اے رند خرابات، سن اے سودائی
اٹھ اور شراب سے پیالہ بھر لے
بھرنے سے پیالۂ حیات پہلے بھائی

قرآن کہ بہین کلام خوانند اورا
گہ گاہ نہ بر دوام خوانند اورا
در خط پیالہ آیتے روشن ہست
کاندر ہمہ جا مدام خوانند اورا

قرآن جو دنیا میں ہے سب سے بہتر
دنیا جسے کرتی ہے ہمیشہ ازبر
ساغر میں ہے صہبا کے بھی آیت روشن
پڑھ سکتے ہو اس کو بھی جو چاہو اکثر

روزے دو کہ مہلتست مے خور مئے ناب
کایں عمر دو روزہ در نیابی دریاب
دانی کہ جہاں رو بہ خرابی دارد
تو نیز شب و روز مے باش خراب

دو دن کی یہ مہلت ہے پیو تم مئے ناب
دوبارہ نہیں آئے گا یہ دورِ شباب
معلوم ہے دنیا ہے یہ مائل بہ فنا
نشے میں رہو تم بھی شب و روز خراب

ہنگام سفیدہ دم خروس سحری
دانی کہ چرا ہمی کند نوحہ گری
یعنی کہ نمودند در آئینہ صبح
کز عمر شبے گذشت و تو بے خبری

معلوم نہیں تجھ کو کہ یہ مرغ سحر
روزانہ ہوا کرتا ہے کیوں نوحہ گر
اک دن تری عمر کا بے کار گیا
نادان مگر تجھ کو نہیں کوئی خبر

دنیا چو فناست من بجز فن نہ کنم
جز رائے نشاط و مے روشن نہ کنم
گویند مرا کہ ایزدت توبہ دہاد
او خود نہ دہد و گر دہد من نہ کنم

ہر روز مئے ناب پیوں گا ساقی
میں غرق گناہوں میں رہوں گا ساقی
توبہ کی نہ ہوتی ہے نہ ہو گی توفیق
ہو بھی تو میں توبہ نہ کروں گا ساقی

اے چرخ ز گردش تو خرسند نیم
آزادم کن کہ لائق بند نیم
گر میل تو با بے خرد و نااہل است
من نیز چناں اہل و خرد مند نیم

اے چرخ ذرا تجھ سے میں خرسند نہیں
آزادی مجھ کو دے، کہ لائق بند نہیں
نادان سزاوارِ عنایت ہیں اگر
میں بھی تو کوئی اہل و خرد مند نہیں

این کهنه رباط را که عالم نام ست
آرامگه ابلق صبح و شام ست
بزمیست که وامانده صد جمشید ست
قصریست که تکیه گاه صد بہرام ست

یہ کہنہ سرا جس کا کہ ہے عالم نام
ہے ابلق روز و شب کی جائے آرام
اس بزم میں آکے گئے جمشید ہزار
رہنے کے لیے آئے ہیں صدہا بہرام

با بادہ نشیں کہ ملک محمود این است
وز چنگ شنو کہ لحن داؤد این است
از نامدہ و رفتہ دگر یاد مکن
حالے خوش باش زانکہ مقصود این است

پی بادہ کہ ملک محمود ہے یہ
اور چنگ بھی سن کہ لحن داؤد ہے یہ
مستقبل و ماضی کو کبھی یاد نہ کر
مسرور ہمیشہ رہ کہ مقصود ہے یہ

اے چرخ فلک خرابی از کینہ تست
بیداد گری پیشہ دیرینہ تست
اے خاک اگر سینہ تو بہ شگافند
بس گوہر قیمتی در سینہ تست

اے چرخ فلک دل میں ترے کینہ ہے
بیداد گری پیشہ دیرینہ ہے
اے خاک اگر سینہ ترا چیرے کوئی
سینہ ترا قارون کا گنجینہ ہے

طور یست کہ صد ہزار موسیٰ دیداست
دیریست کہ صد ہزار عیسیٰ دیداست
قصریست کہ صد ہزار قیصر بگذشت
طاقیست کہ صد ہزار کسریٰ دیداست

وہ طور ہے جہاں ہزاروں موسیٰ آئے
اس دہر میں صد ہزار عیسیٰ آئے
رہ گزرے ہیں اس محل میں لاکھوں قیصر
اس طاق میں بے شمار کسریٰ آئے

در پردہ اسرار کسے را رہ نیست
زیں تعبیہ جان ہیچ کس آگہ نیست
جز در دل خاک منزل گہ نیست
افسوس کہ ایں فسانہ ہم کوتہ نیست

در پردہ اسرار کہیں راہ نہیں
اس راز سے دانا کوئی آگاہ نہیں
منزل نہیں بس دل کے سوا کوئی کہیں
افسوس یہ افسانہ بھی کوتاہ نہیں

اے دوست غم جہان بیہودہ مخور
بیہودہ غم جہان فرسودہ مخور
چوں بود گذشت و نیست نابود پدید
خوش باش و غم بودہ و نابودہ مخور

اے دوست غم جہاں سے ڈرنا کیسا
دل سے تو نکال دے ہر اک اندیشہ
ہر چیز کو دنیا کی فنا ہونا ہے
خوش رہنا ہی مقصود ہے تیرے دل کا

خیام ز بہر گنہ ایں ماتم چیست
در خوردن غم فائدہ بیش و کم چیست
آں را کہ گنہ نہ کرد غفراں نبود
غفراں ز برائے گنہ آمد غم چیست

خیام گناہوں پہ یہ ماتم کیسا
عصیاں پہ یہ رنج میرے ہمدم کیسا
جس نے نہ خطا کی اسے بخشا نہ گیا
بخشش تو گناہوں پہ ہے پھر غم کیسا

یک جرعہ مے ملک جہاں می ارزد
خشت سر خم ہزار جاں می ارزد
آں کہنہ کہ لب بہ مے ازو پاک کنند
حقا کہ ہزار طیلساں می ارزد

اک جرعہ مے دونوں جہاں سے بہتر
خشت سر خم ہزار جاں سے بہتر
آلودگی مے صاف کریں جس سے لوگ
وہ پارچہ ہے ہزار پرنیاں سے بہتر

ایں کوزہ چو من عاشق زارے بودست
در بند سر زلف نگارے بودست
ایں دستہ کہ بر گردن او می بینی
دستیست کہ بر گردن یارے بودست

یہ کوزہ بھی الفت میں گرفتار رہا
سودا تھا اسے بھی کسی معشوقہ کا
یہ دستہ جو گردن میں ہے پیالے کی بنا
یہ ہاتھ گلے میں کبھی محبوب کے تھا

گویند کساں بہشت با حور خوش است
من می گویم آب انگور خوش است
ایں نقد بگیر و دست ازاں نسیہ بدار
کاواز دہل شنیدن از دور خوش است

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت اچھی
بہتر نہیں بادہ سے مگر شے کوئی
بادہ ہے اگر نقد تو جنت ہے ادھار
آواز دہل دور سے لگتی ہے بھلی

ساقی کہ رخت زجام جمشید بہ است
مردن بہ رہت ز عمر جاوید بہ است
خاک قدمت کہ روزمن روشن ازوست
ہر ذرہ ز صد ہزار خورشید بہ است

ساقی ترا چہرہ ہے کہ جام جمشید
تیرے لیے مرنے میں ہے عمر جاوید
دنیا روشن ہے، تیری خاک پا سے
اس خاک کا ہر ذرہ ہے مثل خورشید

یزداں چو گل وجود مارا آراست
دانست ز فعل ماچہ بر خواہد خواست
بے حکمش نیست ہر گناہے کہ مراست
پس سوختن قیامت از بہر چہ خواست

سب کچھ تجھے معلوم تھا خالق میرے
میں عالم فانی میں رہوں گا کیسے
بے حکم نہیں تیرے کیا میں نے گناہ
پھر کس لیے دوزخ میں جلاتا ہے مجھے

ہشدار کہ روزگار شور انگیز است
ایمن منشیں کہ تیغ دوراں تیز است
در کام تو گر زمانہ لوزینہ نہد
زنہار فرو مبر کہ زہر آمیز است

ہشیار زمانہ ہے بہت شور انگیز
غفلت میں نہ رہ کہ تیغ دوراں ہے تیز
ہر چند یہ کھانے کے لیے دے نعمت
ہرگز نہ اسے کھا، کہ ہے وہ زہر آمیز

اے چرخ فلک نے عقل داری نہ ہنر
ہرگز نہ کنی بکار آزادہ نظر
نامرداں را دہی ہمہ گنج و گہر
احسنت زہے چرخ مخنث پرور

اے چرخ فلک عقل ہے تجھ میں نہ ہنر
دیوانے بھی آتے ہیں کبھی تجھ کو نظر
نامردوں کو دیتا ہے سدا لعل و گہر
کیا بات ہے اے چرخ مخنث پرور!

بیگانہ اگر وفا کند خویش من است
ور خویش جفا کند بداندیش من است
گر زہر موافقت کند تریاق است
ور نوش مخالفت کند نیش من است

بیگانہ کرے تجھ سے وفا مہر سمجھ
اپنوں سے جفا ہو تو اسے قہر سمجھ
گر زہر موافق ہو تو ہے وہ تریاق
اور شہد ضرر رساں کو تو زہر سمجھ

گر بادہ بہ کوہ بر زنی رقص کند
ناقص بود آنکہ بادہ را نقص کند
از بادہ مرا توبہ چہ می فرمائی
روحیست کہ او تربیت شخص کند

گر بادہ پیے کوہ تو وہ رقص کرے
ناقص ہے وہ خود، بادہ کو جو نقص کرے
مے پینے سے توبہ نہیں مجھ کو منظور
وہ شے ہے یہ جو تربیت شخص کرے

یک چند بکودکی بہ استاد شدیم
یک چند ز استادی خود شاد شدیم
پایان سخن شنو کہ مارا چہ رسد
از خاک در آمدیم و برباد شدیم

نادان تھے پہلے تو پھر استاد ہوئے
کچھ دیر کو استادی سے پھر شاد ہوئے
انجام جو اپنا ہوا وہ بھی سن لو
ہم خاک سے پیدا ہوئے برباد ہوئے

گاویست بر آسمان نامش پرویں
یک گاؤ دگر نہفتہ در زیر زمیں
چشم خرد کشای چوں اہل یقیں
زیر و زبر دو گاؤ مشتے خر بیں

اک گائے ہے آسماں کے اوپر پرویں
اک گائے ہے اور بھی جو ہے زیر زمیں
دیکھو تو ذرا بصورت اہل یقیں
ان دونوں کے درمیان گدھے ہیں کہ نہیں

بابط می گفت ماہی در تب و تاب
باشد کہ بجوئے رفتہ باز آید آب
بط گفت کہ چون من و تو گشتیم کباب
دنیا پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب

اک ماہی بے تاب نے بط سے پوچھا
یہ جوئے تنک مایہ نہ ہوگا دریا
بط نے یہ کہا جب نہ ہوں گے ہم تم
کیا فائدہ؟ دریا ہو یہاں یا صحرا

بر چہرۂ گل شبنم نو روز خوش است
در صحن چمن روئے دل افروز خوش است
از دی کہ گذشت ہرچہ گوئی خوش نیست
خوش باش ز دی مگو کہ امروز خوش است

عارض پہ گلوں کے آب نوروز اچھا
گلزار میں رخسار دل افروز اچھا
ماضی کے تعلق سے ہیں باتیں بیکار
کل سے تو بہر حال ہے امروز اچھا

یارب بکشای بر من از رزق درے
بے منت مخلوق رساں ما حضرے
از بادہ چناں مست نگہ دار مرا
کز بے خبری نباشدم درد سرے

یارب مرا رزق مجھ کو ایسے پہنچا
احسان اٹھانا نہ پڑے دنیا کا
نشہ سے شراب کے مجھے کردے مست
مستوں کو نہیں درد سری کا کھٹکا

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد
وز سر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند
معلوم نہ گشت و قصہ کوتاہ نہ شد

پردے میں اجل کے بھی کوئی راہ نہیں
اس راز خدا سے کوئی آگاہ نہیں
ہیں سامنے دنیا کے قیاسی باتیں
معلوم کسی کو کچھ بھی واللہ نہیں

نے لائق مسجدم نے در خورد کنشت
ایزد داند گل مرا از چہ سرشت
چوں کافر و درویشم و چوں قحبۂ زشت
نے دین و نہ دنیا نہ امید بہشت

مسجد کے ہوں لائق، نہ سزاوار کنشت
یزداں کو ہی معلوم ہے بس میری سرشت
کافر، درویش یا کہ قحبہ کی طرح
دنیا ہے نہ دین ہے نہ امید بہشت

یک جرعۂ مے از مملکت جم خوش تر
بوئے قدح از غذائے مریم خوش تر
آہ سحر ز سینہ خمارے
از نالہ بو سعید و ادہم خوش تر

مل جائے جو مے مملکت جم بے کار
صہبا ہو تو غذائے مریم بے کار
اک آہ سحر گاہی میکش ہے بہت
ہر نالہ بو سعید و ادہم بے کار

ما و مے و معشوق و صبوح اے ساقی
از ما نبود توبہ نصوح اے ساقی
تا کے خوانی قصہ نوح اے ساقی
پیش آر سبک راحت روح اے ساقی

ہم اور مے و معشوق و صبوح اے ساقی
ممکن نہیں توبہ نصوح اے ساقی
ہر وقت نہ کہہ قصہ نوح اے ساقی
اب سامنے لا راحت روح اے ساقی

وقت سحر است خیز اے طرفہ پسر
پر بادہ لعل کن بلوریں ساغر
کیں یکدمہ عاریت دریں کنج فنا
بسیار بجوئی و نیابی دیگر

ہے وقت سحر سن تو ذرا اے دل بر
پینے کے لیے بھر لے بلوریں ساغر
تنہائی جو میسر ہے تو مے کش بن جا
ملنے کی نہیں تجھ کو فراغت دیگر

گر بر فلکم دست بہ دادے یزداں
برداشتمے من ایں فلک را ز میاں
از نو فلکے دگر چناں ساختمے
کازادہ بکام دل رسیدے آساں

قدرت مجھے دی ہوتی جو تو نے یزداں
کر دیتا ترے فلک کو دنیا سے نہاں
پھر ایک نیا فلک بناتا ایسا
عشاق کی مشکلیں جو کرتا آساں

آبادی میخانہ ز مے خوردن ماست
خون دو ہزار توبہ در گردن ماست
گر من نہ کنم گناہ رحمت چہ کند
آرائش رحمت از گنہ کردن ماست

آباد ہے میخانہ میرے ہی دم سے
توڑی ہیں نہ جانے کتنی توبہ میں نے
کس کام کی رحمت جو نہ عصیاں کروں میں
آرائش رحمت ہے گناہوں سے مرے

خوش باش کہ دہر بیکراں خواہد بود
جاں در پئے تن نعرہ زناں خواہد بود
ایں کاسہ سرہا کہ تو بینی فردا
زیر لکد کوزہ گراں خواہد بود

خوش باش کہ موت آئے گی تجھ کو بھی کبھی
اس تن سے نکل جائے گی جاں بھی تیری
یہ سر جو نظر آتے ہیں شانوں پہ تجھے
پیمانہ گروں کے لیے ہوں گے مٹی

صیاد ازل کہ دانہ در دام نہاد
صیدے بگرفت و آدمش نام نہاد
ہر نیک و بدے کہ می رود در عالم
او می کند و بہانہ بر عام نہاد

صیاد ازل نے جب بچھایا اک دام
اک شخص کو پھانس کے رکھا آدم نام
دنیا میں جو ہوتے ہیں برے اچھے کام
خود کرتا ہے بدنام ہے ہر خاص و عام

تا ہشیارم طرب ز من پنہان است
چوں مست شوم در خردم نقصان است
حالیست میان مستی و ہشیاری
من بندہ آں کہ زندگانی آن است

با ہوش رہوں میں تو خوشی پنہاں ہے
مستی میں مگر نقص خرد عریاں ہے
رہتا ہوں سدا بیچ میں ان دونوں کے
ان دونوں کے درمیان میری جاں ہے

در خواب بدم مرا خرد مندے گفت
کز خواب کسے را گل شادی نہ شگفت
کارے چہ کنی کہ با اجل باشد جفت
برخیز کہ زیر خاک می باید خفت

کل خواب میں مجھ سے کسی دانا نے کہا
ہوتا نہیں با مراد سونے والا
ہے نیند بھی موت کے مشابہ، اٹھ جا
اک روز تو زیر خاک ہے ہی سونا

اے دل چو نصیب تو ہمہ خوں شد نست
احوال تو ہر لحظہ دگر گوں شد نست
اے جاں تو بدیں بدن چہ کار آمدۂ
چوں عاقبت کار تو بیروں شد نست

اے دل تری قسمت میں ہے ساغر ہونا
پھر ٹوٹ کے ساغر سے بھی ابتر ہونا
اے جاں تو مرے جسم میں کیوں در آئی
آخر تو ہے اک دن تجھے باہر ہونا

ننگ است بنام نیک مشہور شدن
عار است ز جور چرخ رنجور شدن
مخمور بہ بوئے آب انگور شدن
بہ زاں کہ بہ زہد خویش مغرور شدن

نیکو کاری پہ اپنی مسرور نہ ہو
دنیا کی مصیبتوں پہ رنجور نہ ہو
مشہور شرابی تو جہاں میں ہو جا
لیکن طاعت پہ اپنی مغرور نہ ہو

گر روئے زمیں بجملہ آباد کنی
چنداں نہ بود کہ خاطرے شاد کنی
گر بندہ کنی ز لطف آزادے را
بہتر کہ ہزار بندہ را آزاد کنی

بے فائدہ اک جہان آباد کیا
دل تو نے کسی کا جو نہیں شاد کیا
آزاد کو لطف سے بنا لے بندہ
بے سود ہے، بندوں کو جو آزاد کیا

سر مست بہ میخانہ گذر کردم دوش
پیرے دیدم مست و سبوئے بر دوش
گفتم ز خدا شرم نداری اے پیر
گفتا کرم از خداست مے نوش خموش

میخانے میں اک شخص کو دیکھا مدہوش
اس عالم پیری میں بھی تھا وہ پرجوش
پوچھا کہ تجھے شرم خدا سے بھی نہیں
بولا یہ خدا کا ہی کرم ہے، خاموش!

من ظاہر نیستی و ہستی دانم
من باطن ہر فراز و پستی دانم
با ایں ہمہ از دانش خود شرمم باد
گر مرتبہ ورائے مستی دانم

ہے ظاہر نیستی و ہستی معلوم
اور باطن ہر فراز و پستی معلوم
یہ دانش و آگہی پشیماں ہو جائے
ہو جائے اگر رتبہ مستی معلوم

گویند مخور مے کہ بلاکش باشی
در روز مکافات در آتش باشی
ایں ہست ولے زہر دو عالم بہتر
آں یکدمہ کز شراب سرخوش باشی

کہتے ہیں کہ پینا نہیں ہوتا اچھا
دوزخ میں جلے گا مے خوار سدا
ہے میرے لیے دونوں جہاں سے بڑھ کر
ملتا ہے جو پینے سے خوشی کا لمحہ

روزے کہ گذشت ازو دگر یاد مکن
فردا کہ نیامدست فریاد مکن
برنامدہ و گذشتہ بنیاد منہ
حالے خوش باش و عمر برباد مکن

گذرے ہوئے کل کو بھی کبھی یاد نہ کر
فردا کے لیے بھی کبھی فریاد نہ کر
مستقبل و ماضی میں الجھنا بے سود
ہے حال غنیمت اسے برباد نہ کر

اے خواجہ یکے کام رواکن مارا
دم درکش و درکار خدا کن مارا
ما راست رویم لیک تو کج می بینی
رو چارۂ دیدہ کن رہا کن مارا

اے خواجہ تو اک کام یہ کردے میرا
خاموش تو ہو جا کبھی اے مرد خدا
ہر عیب نظر آتا ہے تجھ کو مجھ میں
تو نے کبھی عیب اپنی نظر کا دیکھا

غم با لطف تو شادمانی گردد
عمر از نظر تو جاودانی گردد
گر باد بہ دوزخ برد از کوئے تو خاک
آتش ہمہ آب زندگانی گردد

غم لطف سے تیرے شادمانی ہوگا
ہر لحظہ ہمارا جاودانی ہوگا
دوزخ میں جو کوچے کی ترے خاک ملے
وہ شعلہ بھی آب زندگانی ہوگا

آں بہ کہ زجام بادہ دل شاد کنی
وز نامدہ و گذشتہ کم یاد کنی
ویں عاریتی روان زندانے را
یک لحظہ زبند عقل آزاد کنی

بہتر ہے کہ شغل مے سے دل شاد کرو
مستقبل و ماضی نہ کبھی یاد کرو
ہر وقت رہے قید میں کیوں جان حزیں
اک لمحہ کبھی عقل سے آزاد کرو

اسرار جہاں چنانکہ در دفتر ماست
گفتن نتواں زانکہ وبال سر ماست
چوں نیست دریں مردم ناداں اہلے
نتواں گفتن ہر آنچہ در خاطر ماست

جو راز جہاں کا ہے مرے دل میں چھپا
وہ بھید نہیں سہل ہے سب سے کہنا
دنیا میں ہیں نادان بہت، دانا کم
اسرار جہاں کون یہاں سمجھے گا

ما خرقہ زہد بر سر خم کردیم
وز خاک خرابات تیمّم کردیم
باشد کہ درون میکدہ دریابیم
آں عمر کہ در مدرسہ ہا گم کردیم

سب چھوڑ دیا ہم نے عبادت کس کی
اب طرز بنالی ہے شرابی جیسی
ممکن ہے کہ میخانے میں مل جائے کہیں
وہ عمر جو مدرسے میں بے کار گئی

من باغ جہاں را قفسے دیدم و بس
مرغش ز ہوا و ہوسے دیدم و بس
از صبح وجود تا شبانگاہ عدم
چو چشم کشودم نفسے دیدم و بس

دنیا نظر آتی ہے مجھے ایک قفس
ہر شخص ہے آلودۂ حرص اور ہوس
مابین حیات و موت دوری کیا ہے
بس ایک نفس، ہاں فقط ایک نفس

اے مفتی شہر از تو پرکار تریم
با ایں ہمہ مستی از تو ہشیار تریم
تو خون کساں خوری و ما خون رزاں
انصاف بدہ کدام خونخوار تریم

ہم مفتی شہر سے ہیں زیادہ ہشیار
اس رندی و مستی میں بھی ہم ہیں بیدار
وہ خون بشر پیتا ہے، ہم خون عنب
انصاف کرو کون ہے ہم میں خونخوار

مے قوت جسم و قوت جانست مرا
مے کاشف اسرار نہانست مرا
دیگر طلب دنیا و عقبیٰ نہ کنم
یک جرعہ پُر از ہر دو جہانست مرا

کیا چیز ہے مے، روح وروان ہے مجھ کو
اور کاشف اسرار نہاں ہے مجھ کو
مجھ کو طلب دنیا و عقبیٰ نہیں اب
اک جرعہ مے دونوں جہاں ہے مجھ کو

گویند مرا کہ مے پرستم ہستم
گویند مرا فاسق و مستم ہستم
در ظاہر من نگاہ بسیار مکن
کاندر باطن چنانکہ ہستم ہستم

مشہور ہوں بادہ خوار بستی بستی
ہے کام مرا فسق و فجور و مستی
ظاہر پہ مرے تیری نظر ہے ہمدم
اندر سے کبھی دیکھ تو میری ہستی

اے دل چو زمانہ می کند غمناکت
ناگہ برود زتن روان پاکت
بر سبزہ نشیں وخوش بزی روزے چند
زاں پیش کہ سبزہ بر دمد از خاکت

دنیا میں خوشی جڑی ہوئی ہے غم سے
پیدا جو ہوا ہے وہ ہے مرنے کے لیے
شادابی گلشن کا نظارا کر لے
قبل اس سے کہ مٹی سے تری سبزہ اُگے

شیخے بزنے فاحشہ گفتا مستی
ہر لحظہ بدام دیگرے پا بستی
گفتا شیخا ہر آنچہ گوئی ہستم
اما تو ہر آنچہ می نمائی ہستی

اک شیخ نے یہ فاحشہ عورت سے کہا
خوش آتا ہے ہر لمحہ تجھے دام نیا
اُس نے یہ کہا میں ہوں جو آتی ہوں نظر
لیکن تو نظر آتا ہے جو ویسا ہے کیا

آں بہ کہ دریں زمانہ کم گیری دوست
با خلق زمانہ صحبت از دور نکوست
آں کس کہ ترا بہ جملگی تکیہ براوست
چوں چشم خرد باز کنی دشمنت اوست

دنیا سے رہے دور جو انساں اچھا
پُر امن بغیر دوست کے سب کو پایا
جس پر ہے تجھے بہت بھروسا ہمدم
میزان خرد میں وہی دشمن ہے ترا

اے بے خبر ایں جسم مجسم ہیچ ست
ویں طارم نہ سپہر ارقم ہیچ ست
خوش باش کہ در نشیمن کون و فساد
وابستہ یک دمیم و آں ہم ہیچ ست

یہ جسم تیرا ہے خوار و نادار
فانی ہیں یہ سب محل، یہ سارے آثار
خوش باش کہ اس جہان فانی میں تجھے
اک لمحہ میسر ہے سو وہ بھی بے کار

از آتش ما دود کجا بود ایں جا
وز مایہ ما سود کجا بود ایں جا
آنکس کہ مرا نام خراباتی کرد
دراصل خرابات کجا بود ایں جا

اک دن بھی مری آگ سے اٹھا نہ دھواں
دولت سے کبھی عیش اٹھایا نہ یہاں
رکھا ہے مرا نام خراباتی جب
مجھ کو یہ بتا کہ ہے خرابات کہاں

بر خیز بیا بتا برائے دل ما
حل کن بہ جمال خویشتن مشکل ما
یک کوزۂ مے بیار تانوش کنیم
زاں پیش کہ کوزہ ہا کنند از گل ما

اٹھ اے مرے محبوب مرے دل کے لیے
مشکل تو مری حسن سے آساں کردے
اک کوزۂ مے مجھے تو پینے کو دے
قبل اس سے کہ کوزہ مری مٹی سے بنے

چوں فوت شوم بباده شوئید مرا
تلقیں ز شراب و جام گوئید مرا
خواہید بروز حشر جوئید مرا
از خاک در میکده بوئید مرا

مر جاؤں تو صہبا سے مجھے نہلانا
تلقین شراب و جام سے فرمانا
خاک در میکدہ میں کرلینا تلاش
چاہو جو مجھے بروز محشر پانا

از بادہ شود تکبر از سرہا کم
و زبادہ شود کشادہ بند محکم
ابلیس اگر زبادہ خوردے یکدم
کر دے دو ہزار سجدہ پیش آدم

مے پینے سے ہوتا ہے تکبر کچھ کم
اور بادہ سے کھل جاتا ہے بند محکم
ابلیس اگر مے کے نشے میں ہوتا
کرتا دو ہزار سجدے پیش آدم

چوں ز آب و گل آفرید صانع مارا
کردہ بہ غم زمانہ قانع مارا
پیوستہ مرا زمے ہمیں منع کنی
خود دست تہی بس است مانع مارا

مٹی سے بناتا ہے وہ صانع ہم کو
کرتا ہے غم جہاں پہ قانع ہم کو
کیوں روکتے ہو تم ہمیں مے نوشی سے
خود دست تہی کم نہیں مانع ہم کو

آں قصر کہ بر چرخ ہمی زد پہلو
بر درگہہ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ
بنشستہ ہمی گفت کہ کو کو کو

وہ قصر بلندی میں گگن کے جیسا
سر شاہوں کا عظمت سے جہاں آپ جھکا
دیوار پہ اس کی بھی یہ دیکھا ہم نے
اک فاختہ بیٹھی تھی وہاں کوئی نہ تھا

در دہر آں کہ نیم نانے دارد
وز بہر نشست آشیانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

دنیا میں ہے عزت سے جسے رزق ملا
اللہ نے رہنے کے لیے گھر بھی دیا
خادم ہے کسی کا نہ کسی کا مخدوم
جینا ہے اگر تو ہے اسی کا جینا

یارب تو کریمی و کریمی و کرم است
عاصی زچہ رو بروں زباغ ارم است
با طاعتم ار بخشی آں نیست کرم
با معصیتم اگر بخشی کرم است

یارب تری عادت تو ہے بس رحم و کرم
پھر کیوں نہیں عاصی کو عطا کرتا ارم
بے کار ہیں طاعت کے عوض حور و بہشت
بدلے میں گناہوں کے عطا ہو تو کرم

غافل بچہ امید دریں شوم سرا
بر دولت او دل نہد از بہر خدا
ہر گاہ کہ خواہد کہ نشیند از پا
گیرد اجلش دست کہ بالا پیما

غافل تجھے دنیا سے ہے امید وفا
دولت پہ ہے اس دہر کی دل تیرا فدا
مائل ہے تو جم کے بیٹھنے پر لیکن
کہتی ہے اجل کہ اس جہاں سے اٹھ جا

چنداں بخورم شراب کیں بوئے شراب
آید ز تراب چو روم زیر تراب
تا بر سر خاک من رسد مخمورے
از بوئے تراب من شود مست و خراب

ہر وقت میں پیتا رہوں ساقی مئے ناب
مرنے پہ مری قبر میں ہو بوئے شراب
پہنچے جو مری خاک پہ کوئی مے خوار
مٹی سے وہ ہو جائے مری مست و خراب

عمرت چہ دو صد بود چہ سہ صد چہ ہزار
زیں کہنہ سرا بروں برندت ناچار
گر پادشہی وگر گدائی بازار
ایں ہر دو بیک نرخ بود آخر کار

سو سال کی ہو عمر تری یا ہو ہزار
دنیا سے تجھے جانا پڑے گا ناچار
بازار فنا میں کیا گدا کیا سلطان
ہیں دونوں ہی قیمت میں برابر، ہشیار!

گر گل نبود نصیب ما خار بس است
ور نور بما نمی رسد نار بس است
گر خرقه و خانقاه و شیخے نہ بود
ناقوس و کلیسیا و زنار بس است

قسمت میں مری پھول نہیں خار سہی
جب نور مقدر میں نہیں نار سہی
گر خرقہ و خانقاہ قسمت میں نہیں
ناقوس و کلیسیا و زنار سہی

اے چرخ دلم ہمیشہ غمناک کنی
پیراہن خرمی من چاک کنی
بادی کہ بہ من رسد تو آتش کنیش
آبے کہ خورم در دہنم خاک کنی

قسمت نے ہمیشہ مجھے غمناک کیا
دامن مری خرمی کا صد چاک کیا
جو باد صبا تھی اسے آتش کر کے
پانی بھی مقدر کا مرے خاک کیا

امروز ترا دسترس فردا نیست
و اندیشہ فردات بجز سودا نیست
ضائع مکن ایں دم ار دلت شیدا نیست
کیں باقی عمر را بقا پیدا نیست

فردا پہ کوئی بس نہ چلے گا تیرا
بے کار ہے کل کے لیے ہر اندیشہ
موجودہ جو لمحہ ہے وہی تیرا ہے
دنیا میں تو دوبارہ نہیں آئے گا

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت
از اہل بہشت کرد یا دوزخ زشت
جامے و بتے و بربطے بر لب کشت
ایں ہر سہ مرا نقد ترا نسیہ بہشت

معلوم نہیں کہ میرا مسکن ہے کہاں
دوزخ میں رہوں گا یا ملے باغ جناں
جنت کا تو زاہد کو فقط ہے وعدہ
ہر عیش میسر ہے مجھے نقد یہاں

دارم گنہے کہ پشت ایماں شکند
بازار تمام بت پرستاں شکند
بار گنہم اگر بہ میزاں سنجند
ترسم کہ بروز حشر میزاں شکند

وہ بار گنہ کہ پشت ایماں ٹوٹے
بازار تمام بت پرستاں ٹوٹے
تولا جائے گا جب گناہوں کو مرے
ڈر ہے کہ قیامت میں نہ میزاں ٹوٹے

اے خواجہ فقیہہ گر ترا ہست خبر
چندیں ز حسد مپیچ بر اہل نظر
ایشاں ہمہ از صانع و صنعش گویند
تو از دم حیض و نجاسات دگر

اے خواجہ فقیہہ کیا نہیں تجھ کو خبر
دشمن نظر آتے ہیں سدا اہل نظر
یہ خالق و مخلوق کے شیدائی ہیں
باتوں میں تری حیض و نجاست اکثر

★ آپ نے رُباعی کی بحر میں ترجمے کیے ہیں۔ مشکل کام تھا لیکن آپ نے خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ ترجمے رواں دواں اور خوبصورت ہیں۔

علی سردار جعفری (۹ر ستمبر ۱۹۹۶ء)

★ "نغمۂ خیام" کئی مرتبہ پڑھی اور ہر بار ایک نئی سرشاری نصیب ہوئی۔ اس کا سبب یقیناً آپ کا فارسی سے اردو میں رواں دواں منظوم ترجمہ ہے۔ فارسی اور اردو دونوں پر آپ کو یکساں قدرت حاصل ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔

رام لعل (۱۰ر اکتوبر ۱۹۹۶ء)

★ ترجمے کا فن ایک مشکل فن ہے۔ خصوصاً جب اس کا تعلق کلام منظوم سے ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مترجم کو متعلقہ دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہو۔ ہر دو زبان کے فنی رموز و علائم سے واقف ہو۔ اور شعری استعداد و صلاحیت سے بھی وافر حصہ اُسے ملا ہو۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی ادبی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے اس ذمہ داری کو بہ طریق احسن انجام دیا ہے۔ اور لفظی ترجمے سے ہٹ کر اصل متن کے مراد و منشائے معنوی پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں، اردو زبان کے قالب میں ڈھل کر بھی فارسی کی ان رُباعیوں کا حُسن، آہنگ اور مفہوم بڑی حد تک اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہ خوبی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو رُباعی کے فارم میں اظہار خیال اور ترتیب مضمون پر اچھی قدرت حاصل ہے۔ ارباب فن آپ کی اس شعری کاوش کی یقیناً قدر کریں گے۔

فضا ابن فیضی (۱۱ر اکتوبر ۱۹۹۶ء)

★ خیام کے تین چار منظوم ترجمے پڑھ چکا ہوں۔ واقف، آغا شاعر وغیرہ۔ آپ کی یہ کوشش قابل توجہ ہے کہ خیام کے نفس مضمون پر بھی قائم رہا جائے اور موسیقیت بھی زخمی نہ ہونے پائے۔

دعا کرتا ہوں کہ جولانی طبع قائم رہے اور تخلیق کا کام جاری رہے۔

سکندر بخت (۲۸ر دسمبر ۱۹۹۶ء)